اسلام برّصغیر پاک و ہند میں!

(ماخوذ از ماہنامہ 'میثاق' بابت جنوری ۱۹۷۶ء)

- ورودِ اوّل : سندھ میں
- ورودِ ثانی : شمال مغرب سے
- ہندوستان میں مسلمانوں کے عروج لیکن اسلام کے زوال کی انتہا : اکبر اعظم علیہ ما علیہ
- الفِ ثانی کا تجدیدی کارنامہ :
  - شیخ احمد سرہندیؒ
  - شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ
  - امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ

© rasailojaraid.com

برِ صغیر پاک و ہند میں خورشیدِ اسلام اوّلاً عینِ غرب یعنی مکران اور بلوچستان کے افق پر خلافتِ بنی امیہ کے زمانے میں اس وقت طلوع ہوا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے انتقال پر اسّی برس[1] بیت چکے تھے اور دَورِ خلافتِ راشدہ کو ختم ہوئے بھی نصف صدی کے لگ بھگ عرصہ گذر چکا تھا اور اسلام کے صدرِ اوّل کا جوش و خروش کم ہوتے ہوتے تقریباً معدوم کے حکم میں داخل ہو چکا تھا۔ چنانچہ سرزمینِ ہند پر 'باب الاسلام' سندھ کے راستے اسلام کا یہ ورودِ اوّل بھی کسی مثبت تبلیغی جذبے یا احساسِ فرض کا مرہونِ منّت نہ تھا بلکہ ایک وقتی اور فوری اشتعال کا نتیجہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت اسلام کی کرنیں موجودہ پاکستان کے بھی صرف نصف جنوبی کو منوّر کر کے رہ گئیں اور اس میں بھی جذر کے آثار فوراً ہی شروع ہو گئے اور برِ صغیر پاک و ہند میں اسلام کی یہ آمدِ اوّلین نہایت محدود بھی رہی اور حد درجہ عارضی بھی۔

گویا سرزمینِ سند دَورِ نبوّی اور عہدِ خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ کی برکات سے تو مطلقاً محروم ہی رہی جس میں ایمان اور یقین کا کیف و سرور اور جہاد و قتال کا جوش و خروش باہم شیر و شکر تھے اور جہاد کی اصل غرض و غایت فریضۂ شہادت علی النّاس کی ادائیگی کا جذبہ تھا یا حصولِ مرتبۂ شہادت[2] کا ذوق و شوق نہ کہ ملک گیری و کشور کشائی کی ہوس

---

[1] آنحضور کا سنِ وفات ۶۳۲ء ہے اور سندھ پر محمد بن قاسمؒ کا حملہ ۷۱۲ء میں ہوا۔ [2] بقول علامہ اقبال ؎

شہادت ہے مقصود و مطلوبِ مومن — نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی!

© rasailojaraid.com

یا مالِ غنیمت و اسبابِ عیش کی حرص۔ مزید محرومی یہ رہی کہ اسے اس خالص عربی الاصل اسلام کے اثرات سے متمتّع ہونے کا موقع بھی بہت ہی کم ملا جس میں دین و دنیا کی وحدت و یگانگت ابھی اس حد تک باقی تھی کہ رات کے راہب ہی دن کے شہسوار[1] ہوتے تھے اور ایک ہی انسان کے ایک ہاتھ میں قرآن ہوتا تھا اور دوسرے میں تلوار!

بعد ازاں جنوبی ہند کے مغربی ساحل پر تو اسلام کے انوار و برکات کا ترشّح عرب تاجروں کی آمد و رفت کے طفیل تقریباً مسلسل ہوتا رہا، اگرچہ اس کی نوعیّت ایک ہلکی سی پھوار یا دھیمی سی آنچ کی تھی جس کے اثرات زیادہ محسوس و مشہود نہیں ہوتے ———
لیکن شمال مغربی سرحد پر واقع پہاڑی دروں سے اسلام کا سیلاب کم و بیش تین صدیوں بلکہ اگر ہوا اور مزید لگ بھگ دو سو برس تک اس کی نوعیّت واقعتہً پہاڑی ندی نالوں کے سیلاب ہی کی سی رہی کہ زور و شور اور غیظ و غضب کے ساتھ آیا اور آناً فاناً گذر گیا۔ اور اگرچہ اس بار موجودہ پاکستان کے نصفِ شمالی کی قسمت جاگی کہ وہ ۱۰۰۰ء کے آس پاس ہی باقاعدہ اسلامی قلمرو میں شامل ہوگیا تاہم واقعہ یہی ہے کہ محمود غزنوی اور محمد غوری کے حملوں کی اصل حیثیّت پہاڑی نالوں کے سیلاب سے زیادہ نہ تھی جو ادھر آتا ہے اُدھر گذر جاتا ہے!

تختِ دہلی پہ مسلمانوں کو باقاعدہ تمکّن ۱۲۰۶ء کے لگ بھگ حاصل ہوا، اور ہندوستان میں مسلمانوں کا دَورِ حکومت عروج و زوال اور مدّ و جذر کے مختلف مدارج و مراحل سے گذرتا ہوا ۱۸۵۷ء کے غدر پر ختم ہوگیا۔ ان ساڑھے چھ سو سالوں کے نصف اوّل کے دوران، یعنی ۱۲۰۶ء سے ۱۵۲۶ء تک پہلے کچھ ترکی النّسل غلام[2] بادشاہ تختِ دہلی کو زینت بخشتے رہے اور بعد ازاں کچھ افغان خاندان (خلجی، لودھی وغیرہ)

---

[1] رستم، سپہ سالار افواجِ ایران کو اس کے مخبروں نے مسلمان افواج کے جو حالات سنائے تھے ان میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں کہ "هُمْ رُهْبَانٌ بِاللَّيْلِ وَفُرْسَانٌ بِالنَّهَارِ" یعنی "وہ رات کے راہب ہیں اور دن کے شہسوار!"

[2] اگلے صفحہ پر دیکھئے

© rasailojaraid.com

حکمران رہے، اور نصف ثانی یعنی ۱۵۲۶ء سے ۱۸۵۷ء تک مغلوں کا دور رہے جس کے کل سوا تین سو سالوں میں سے پہلے پونے دو سو برس[1] اس کی اصل عظمت و سطوت کا زمانہ ہے اور بعد کے ڈیڑھ سو برس اصلاً ایک عظیم عمارت کے کھنڈروں میں تبدیل ہونے اور بالآخر زمیں بوس ہو جانے کا عرصہ! (ع "کھنڈر بتا رہے ہیں عمارت عظیم تھی"!)

گویا ہندوستان میں اسلام آیا ہی اس وقت جب وہ اپنی نشأۃِ اُولیٰ کے بعد زوالِ اوّل سے پوری شدّت کے ساتھ دوچار ہو چکا تھا۔ اور اس کی وحدتِ فکری بھی پارہ پارہ ہو چکی تھی اور وحدتِ ملّی بھی۔ چنانچہ ایک[1] طرف عالمِ اسلام کے قلب میں عرب قوّت کا تقریباً خاتمہ ہو چکا تھا اور خلافتِ بنی عبّاس کا دیا چراغِ سحری کے مانند ٹمٹما رہا تھا اور پوری مملکت طوائف الملوکی کا شکار تھی گویا بنی اسمٰعیلؑ کے حق میں وعیدِ خداوندی "اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ" پوری طرح ظاہر ہو چکی تھی ——— اور دوسری[2] طرف خلافتِ اسلامی کی وہ توحیدی شان ایک داستانِ پارینہ بن چکی تھی جس میں دین و دنیا کے مابین کوئی دُوئی تھی نہ مذہب و ریاست میں کوئی جدائی اور خدا کے جلال[3] و جمال کے

ے تاریخ اسلام کا یہ دورِ عجیب ہے کہ از شرق تا غرب غلاموں ہی کی حکومتیں قائم تھیں۔ چنانچہ ہند میں خاندانِ غلاماں حکمران تھا تو مصر میں مملوک سریر آرائے مملکت تھے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام نے غلاموں کو کہاں سے اٹھا کر کہاں تک پہنچایا!

لہ یعنی ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمۃ کی وفات تک!

لہ چنانچہ ہندوستان میں مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت کے آغاز کے نصف ہی صدی کے اندر اندر یہ چراغ بالکل بجھ گیا اور ۱۲۵۸ء میں تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد میں وہ قتل عام ہوا کہ الامان و الحفیظ ——— اور آخری عبّاسی خلیفہ مستعصم باللہ اس طرح سرِعام ذبح کر دیا گیا جیسے کسی بھیڑ یا بکری کو حلال کر دیا جائے۔ جس پر خون کے آنسو بہائے شیخ سعدیؒ نے: ؎

آسماں را حق بود گر خوں بہ بارد بر زمیں
بر زوالِ مُلکِ مُستعصم امیر المؤمنیں!

اے مُحمّدؐ گر قیامت سر برون آری ز خاک
سر برون آر و قیامت در میانِ خلق بیں

سہ شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جُنیدؒ و بایزیدؒ تیرا جمال بے نقاب

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

منفسر جدا تھے نہ سلطانی و درویشی کے مصداق مختلف! ـــــــ اور اس کی جگہ قیادت و سیادت اور رہنمائی و پیشوائی کے ضمن میں ملوک، احبار اور رُہبان پر مشتمل وہ قدیم تثلیث[1] پوری طرح رائج و نافذ ہو چکی تھی جو ایک اسلام کے سوا دُنیا کی تہذیبوں اور تمدّنوں کا جزوِ لاینفک رہی ہے اور جس سے پیشگی خبردار کیا تھا عہدِ تابعین ہی میں حضرت عبداللہ ابن المبارکؒ نے اپنے اس حد درجہ فصیح و بلیغ شعر میں[2] ؎

وَمَا أَفْسَدَ الدِّيْنَ إِلَّا الْمُلُوْكُ
وَأَحْبَارُ سُوْءٍ وَرُهْبَانُهَا

اور اگرچہ اسلام کے اعجاز نے اس دورِ زوال و انحطاط میں بھی بہت سی عظیم اور استثنائی (EXCEPTIONAL) شخصیتیں پیدا کیں جیسے صلاح الدین ایوبیؒ اور نصیر الدین محمودؒ جیسے درویش بادشاہ اور امام ابن تیمیہؒ ایسی جامع سیف و قلم شخصیت، تاہم واقعہ یہ ہے کہ اس دور تک ایک جانب مسلمان حکمران و سلاطین اکثر و بیشتر "آیۂ اِنَّ الْمُلُوْكَ"[3] کے مصداقِ کامل بن چکے تھے اور دوسری

© rasailojaraid.com

۱؎ گویا علامہ اقبالؒ کا یہ شعر کہ ؎

لے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیلؑ — خشتِ بنیادِ کلیسا بن گئی خاکِ حجاز

ظاہری طور پر بھی مطابقِ واقعہ ہے اور معنوی طور پر بھی۔ خصوصاً تاریخِ اسلام کے اس دور میں جس کا ذکر یہاں ہو رہا ہے ایک طرف تثلیث کے فرزندوں نے صلیبی جنگوں سے عالمِ اسلام کا عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا اور دوسری طرف یہ معنوی تثلیث اسلام کی وحدانیت کی جڑیں کھوکھلی کر چکی تھی۔

۲؎ حضرت عبداللہ ابن المبارکؒ کے اس شعر کی اتنی ہی فصیح و بلیغ ترجمانی کی ہے علامہ اقبالؒ نے اپنے اس شعر میں: ؎

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری — اے کشتۂ سلطانی و ملّائی و پیری!

۳؎ علامہ اقبال مرحوم نے الفاظِ قرآنی " اِنَّ الْمُلُوْكَ إِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً أَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا أَعِزَّةَ أَهْلِهَآ أَذِلَّةً " (سورۃ النمل : ۳۴) کے حوالے سے کس قدر عمدہ اشعار کہے ہیں: اشعار اگلے صفحہ پر دیکھئے

© rasailojaraid.com

جانب علماء و صوفیاء کی عظیم اکثریت بھی آیاتِ قرآنی "لَوْلَا یَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَکْلِهِمُ السُّحْتَ" (المائدہ ۶۳) اور "اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ" (توبہ : ۳۴) کی مظہرِ اتمّ بن چکی تھی۔ فَوَاحَسْرَتَا وَ یَا اَسَفَا!

ہندوستان میں اسلام وارد تو ایسی منقسم حالت میں ہوا تھا کہ اصحابِ سیف و سنان جدا تھے اور صاحبانِ قرطاس و قلم جدا، اور زیبِ منبر و محراب اور تھے اور زینتِ میدانِ جنگ و قتال اور، چنانچہ ابتداء میں ایک جانب محمود غزنوی اور محمد غوری کی سرفروشانہ ترکتازیاں تھیں اور دوسری جانب شیخ اسمٰعیل بخاری اور شیخ علی ہجویری رحمہما اللہ کی تبلیغ و تلقین اور تعلیم و تربیت کی انتھک کوششیں اور بعد میں ایک طرف قطب الدین ایبک اور بختیار خلجی کی تلواریں مملکت کی توسیع اور استحکام کا فریضہ سرانجام دے رہی تھیں تو دوسری طرف خواجگانِ سلسلۂ چشت رحمہم اللہ نفوس کے تزکیے، قلوب کے تصفیے اور سیرت و کردار کی تعمیر میں مصروف تھے۔ تاہم غنیمت ہے کہ آغاز میں ان دونوں حلقوں کے مابین گہرا ربط و تعلق موجود تھا جس کا عظیم ترین نشان (SYMBOL) ہے سلطان التمش کی جامع الصفات شخصیت کہ ایک طرف ایک عظیم مملکت کا حکمران بھی تھا اور دوسری طرف خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا حلقہ بگوش اور حد درجہ عابد و زاہد انسان بھی ۔۔۔۔۔ یہاں تک کہ حضرتِ خواجہ کے انتقال پر جب

اشعار متعلقہ حاشیہ صفحہ سابقہ

آ بتاؤں تجھ کو رمزِ آیۂ اِنَّ الْمُلُوْک
سلطنت اقوامِ غالب کی ہے اک جادوگری

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سُلا دیتی ہے اُس کو حکمراں کی ساحری

جادوئے محمود کی تاثیر سے چشمِ ایاز
دیکھتی ہے حلقۂ گردن میں سازِ دلبری

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری!

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

لوگ نمازِ جنازہ کے لیے جمع ہوئے اور وہاں خواجہؒ مرحوم کی اس وصیّت کا اعلان کیا گیا کہ میری نمازِ جنازہ صرف وہ شخص پڑھائے جس نے عمر بھر کبھی زِنا نہ کیا ہو اور جس کی نہ کبھی تکبیرِ اُولیٰ فوت ہوئی ہو نہ عصر کی سنّتیں چھُوٹی ہوں۔ نتیجۃً مجمعے پر سکتہ ساطاری ہوگیا اور تمام لوگ حیران و پریشان ہوکر رہ گئے کہ ایسا شخص کون ہوسکتا ہے جس میں یہ ساری شرطیں پُوری موجود ہوں تو قدرے تأمّل و انتظار کے بعد جو شخص اگلی صف سے امامت کے لیے نکلا وہ خود بادشاہِ وقت سلطان التمش تھا۔!

لیکن جلد ہی یہ رابطہ کمزور پڑگیا اور رجالِ سلطنت اور رجالِ دین کے مابین ایک بُعد اور فصل پیدا ہوگیا اور اُن کے شب و روز ایک دوسرے سے مختلف ہی نہیں بالکل متضاد ہوگئے اور جیسے جیسے وقت گزرا یہ خلیج عمیق سے عمیق تر اور وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی۔

مزید برآں، ہندوستان میں اسلام علاقہ ماوراءالنّہر سے آیا تھا جہاں خود مذہبی حلقوں میں مدرسہ و خانقاہ کی تقسیم راسخ ہوچکی تھی اور اُن کے مابین مسابقت ہی نہیں منافرت کا آغاز ہوچکا تھا اور جہاں مدارس میں حنفی فقہ، اشعری و ماتریدی عقائد، یونانی فلسفہ و منطق اور ان سب کے معجونِ مرکّب علمِ کلام کا دور دورہ تھا، اور خانقاہوں میں وحدتُ الوجود کا سکّہ رواں تھا۔ لہٰذا اسلامی ہند میں مذہب کی عمارت انہی دو ستونوں پر استوار ہوئی یعنی ایک شدید حنفیّت اور دوسرے وجودی تصوّف۔

قرآنِ حکیم یہاں ابتداء ہی سے صرف ایک کتابِ مقدّس کی حیثیّت سے متعارَف ہوا اور علمِ حدیث سے یہ سرزمین دیر تک نابلدِ محض رہی اور چونکہ عربی یہاں صرف اعلیٰ علمی حلقوں تک محدود رہی اور عام بول چال، تصنیف و تالیف، شعر و ادب اور سرکار دربار سب پر فارسی کا قبضہ رہا لہٰذا قرآن و حدیث سے یہ بُعد اور دُوری نہ صرف یہ کہ قائم رہی بلکہ مرورِ ایّام کے ساتھ مزید بڑھتی چلی گئی۔

© rasailojaraid.com

اس غُلُوّ فی الحنفیّت اور بُعد عن حدیث الرّسولؐ کے ضمن میں ایک نہایت دلچسپ لیکن ساتھ ہی حد درجہ عبرت انگیز واقعہ نقل ہوا ہے کہ جب سلطانؒ کے دربار میں ایک خاص مسئلے پر شیخ الوقت خواجہ نظامُ الدّین اولیاء اور شیخ الاسلام قاضی جلال الدّین کے مابین مناظرہ ہوا اور اپنے موقف کے حق میں بطورِ دلیل پیش کرنا چاہا خواجہ نظام الدّینؒ نے ایک حدیث رسولؐ کو تو بلا کسی جھجک اور تأمّل کے بھرے دربار میں ڈنکے کی چوٹ کہا شیخ الاسلام نے کہ:

تو مقلّدِ ابوحنیفہ ہستی، تُرا با حدیثِ	تم مقلّدِ ابوحنیفہ ہو یعنی حنفی ہو
رسولؐ چہ کار؟ قولِ ابی حنیفہ	تمھیں حدیثِ رسولؐ سے کیا
بیار!"	سروکار؟ اگر امام حنیفہ کا کوئی قول
	پیش کر سکتے ہو تو کرو!

جس پر حضرتِ خواجہ نے یہ کہتے ہوئے مناظرہ ختم کر دیا اور دربار سے اُٹھ گئے کہ:

"سُبحان اللہ! کہ باوجود قولِ مصطفویؐ	سُبحان اللہ! نبی اکرمؐ کے فرمان کے ہوتے
از من قولِ ابی حنیفہؒ می خواہند!"	ہوئے مجھ سے امام ابوحنیفہؒ کے قول
(سیر العارفین)	کا مطالبہ کیا جا رہا ہے!

اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ اسلامی ہند میں آغاز ہی سے دو حکومتیں قائم ہو گئی تھیں ایک ظاہری حکومت جس کا اقتدار یا زمین پر قائم تھا یا انسانوں کے جسموں پر' اور دوسری باطنی حکومت جس کا سکّہ قلوب کی دنیا میں رواں تھا۔ پہلی حکومت اصلاً ملوک و سلاطین اور اُمراء و عمائدِ سلطنت کی تھی اور ان کے ساتھ بطورِ تتمّہ یا ضمیمہ منسلک تھے ائمّہ و خطباء، مدرّسین و معلّمین اور مفتی و قاضی حضرات، اور اس دُنیا میں جیسے کہ عرض کیا گیا فقہ ہی کو گویا کل دین کی حیثیّت حاصل تھی! جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ متشدّدانہ ظاہر پرستی اور قانونی مُوشگافی کا دَور دَورہ ہو گیا اور رفتہ رفتہ دین و مذہب نے بالکل خشک قانونیت کی شکل اختیار کر لی

© rasailojaraid.co

دوسری طرف، تصوّف کے نوادرات میں سے ارضِ ہند پر سب سے پہلے چشتی سلسلے نے قدم جمائے اور کم و بیش دو صدیوں تک خواجگانِ چشت ہی کا طوطی بولتا رہا۔ جیسے ہی اس سلسلے میں قدرے ضعف کے آثار پیدا ہوئے وسطی اور جنوبی ہند میں سہروردیہ اور شطّاریہ سلسلوں کو فروغ حاصل ہوا اور شمال مغرب میں خصوصاً موجودہ پاکستان کے وسطی علاقوں میں قادریہ سلسلے نے عروج پایا ان تمام سلاسل میں وحدت الوجود کو گویا اُصولِ موضوعہ کی حیثیت حاصل تھی اور اس کے زیر اثر کیف و سرور، جذب و مستی اور وجد و رقص کا ذوق و شوق بڑھ رہا تھا اور فنا فی اللہ کو شغل و سلوک کے منتہائے مقصود کی حیثیت حاصل ہو رہی تھی جس کے باعث قویٰ مضمحل ہو رہے تھے اور جذبۂ جہاد تو دُور رہا جذبۂ عمل بھی سرد پڑتا جا رہا تھا!

مزید برآں ـــــ باطنی احوال و کوائف پر توجّہ کے ارتکاز کے باعث ظاہری اہمیّت کم ہوتی جا رہی تھی، طریقت کے عروج کے ساتھ ساتھ شریعت کا استخفاف ہونے لگا تھا، عشق و محبّت کی سرمستی میں پابندیٔ شریعت اور اتباعِ سُنّت پر پھبتیاں کسی جانے لگی تھیں اور ستم بالائے ستم یہ کہ ہمہ اوستی نظریات کے باعث وسیع المشربی اتنی بڑھتی جا رہی تھی کہ رام اور رحمٰن ایک نظر آنے لگے تھے، مسجد و مندر اور دیر و کلیسا میں کوئی فرق نہ رہا تھا، اور ع "با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام" پر عمل عام ہو گیا تھا نتیجۃً ملّتِ اسلامی کا جداگانہ تشخّص ہی شدید خطرات سے دوچار ہو گیا تھا۔

علمائے ظاہر یا "حاملانِ دین اور حامیانِ شرعِ متین" کی جانب سے اس طرزِ عمل کی مخالفت ایک فطری امر تھا لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مدرسہ و خانقاہ کی باہمی چشمک رفتہ رفتہ بُغض اور عداوت میں تبدیل ہوتی چلی گئی۔ چنانچہ اسلامی ہند کی پوری تاریخ رجالِ سلطنت اور رجالِ دین کی باہمی کشمکش اور علماء اور صوفیاء کی باہمی آویزش کی مسلسل داستان ہے جس میں ایک 'بُعدِ رابع' (FOURTH DIMENSION) کا اضافہ ہو گیا اوائلِ عہدِ مغلیہ میں ایران سے شیعیّت کی درآمد سے، جس نے گویا جلتی پر تیل کا کام کیا اور جس کے زیر اثر مشرکانہ عقائد و خیالات اور بدعات

© rasailojaraid.com

درسومات کا ایک سیلاب ارضِ ہند پر آگیا!

مسلم انڈیا کا سُنہرا دَور بلا شبہ اُس کا صدرِ اوّل ہی تھا یعنی دَورِ خاندانِ غلاماں جس میں مُلوک، احبار، رہبان کی تثلیث اگرچہ اُصولاً تو موجود تھی تاہم بھی اس میں نہ تنزّل و انحطاط کے آثار نمایاں ہوئے تھے نہ باہمی بُغض و عناد کے ملکہ جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے نہ صرف یہ کہ باہمی توافق و تعاون موجود تھا بلکہ بعض مثالیں انتہائی حسین امتزاج کی بھی نظر آجاتی ہیں۔ لیکن جیسے جیسے زمانہ گذرا زوال اور پستی کے جانب قدم بڑھتے گئے اور نہ صرف یہ کہ متذکرہ بالا تثلیث کا گھناؤنا پن بڑھتا چلا گیا بلکہ اس کی جڑیں بھی مسلم سوسائٹی میں مزید گہری اتر تی چلی گئیں! ——— تا آنکہ مغلِ اعظم شہنشاہِ اکبر کے زمانے میں یہ صورتِ حال اپنے نقطۂ عروج (CLIMAX) کو پہنچ گئی اور حالات کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ عین اُس وقت جبکہ ہندوستان کی سرزمین پر مسلمانوں کا خورشید حکومت نصف النّہار پر چمک رہا تھا اسلام پر انتہائی غربت اور شدید بے کسی و کس مپرسی کی حالت طاری ہوگئی! یہاں تک کہ نام نہاد 'دینِ الٰہی' نے دینِ محمّدی علیٰ صاحبہ الصّلوٰۃ والسّلام کی کامل بیخ کنی کرنے یا کم از کم اُسے سرزمینِ ہند سے ملک بدر کر دینے کا بیڑا اٹھا لیا! یہ دوسری بات ہے کہ فطرت کے اس اٹل قانون کے مطابق کہ جذر جب اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو اسی کی کوکھ سے مدّ کے آثار جنم لیتے ہیں، ہندوستان میں اسلام کے زوال کی انتہا کا یہ دَور سرزمینِ پاک و ہند میں اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی تمہید بن گیا! بقول علّامہ اقبالؔ ؎

خونِ اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں ۔۔۔ توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسمِ سامری

سولہویں صدی عیسوی کے وسط کے لگ بھگ جب مغلِ اعظم علیہ ما علیہ کے آفتابِ اقتدار نے ابتدائی موانع و مشکلات کی بدلیوں سے نکل کر پوری آب و تاب کے ساتھ چمکنا شروع ہی کیا[1] تھا اور ہندوستان میں اسلام کے انتہائی زوال و انحطاط کے دورِ سیاہ کا آغاز ہونے ہی والا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کہ ٹھیک اس وقت سرزمینِ ہند میں دو[2]

---

[1] اکبر کی حکومت کو استحکام ۱۵۵۶ء میں پانی پت کی دوسری جنگ میں کامیاب ہونے کے بعد ہی حاصل ہوا تھا۔

© rasailojaraid.com

خورشید ہدایت بھی طلوع ہوئے: ایک مجدد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (جن کی ولادت ۱۵۶۴ء میں ہوئی) اور دوسرے: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (جن کا سنِ ولادت ۱۵۵۱ء ہے!) جن کی مُصلحانہ و مجددانہ مساعی نے حالات کے دھارے کا رُخ اس حد تک موڑ کر رکھ دیا کہ تقریباً چار سو سال کے بعد اسلامی ہند کو غازی اورنگ زیب عالمگیرؒ کی ذات میں گویا غازی صلاح الدین ایوبیؒ اور سلطان ناصر الدین محمودؒ کے محاسن کا جامع حکمران نصیب ہوا اور اس طرح مسلم انڈیا کے اوّل و آخر کے مابین ایک مشابہت اور مماثلت پیدا ہوگئی!

ان میں سے مقدم الذکر یعنی شیخ مجدد کی مساعی میں پُرجوش مجددانہ رنگ نمایاں تھا اور مؤخر الذکر یعنی شیخ محدث کی کوششوں پر خاموش مُصلحانہ انداز غالب تھا۔ چنانچہ حالات کے رُخ کی فوری تبدیلی میں اصل دخل یقیناً حضرتِ مجدد کی مساعی کو حاصل ہے جبکہ سرزمینِ ہند میں علمِ حدیث نبویؐ کا پودا لگانے کی جو خدمت حضرتِ محدث نے سر انجام دی اس کے اثرات بہت دیرپا اور دُوررس ثابت ہوئے۔

حضرت مجددؒ کی تجدیدی مساعی کا اصل رُخ تصحیحِ عقاید، ردِّ بدعات، التزامِ شریعت اور اتباعِ سنت کی جانب تھا۔ اور اس ضمن میں انھوں نے رائج الوقت علمی و نظری اور اخلاقی و عملی ہر نوع کی گمراہیوں اور ضلالتوں پر بھرپور تنقید کی، چنانچہ تردیدِ شیعیت پر بھی نہ صرف یہ کہ ان کے مکاتیب میں بہت زور ہے بلکہ "ردِّ روافض" کے عنوان سے ایک مستقل رسالہ بھی انھوں نے تحریر فرمایا۔ اور اگرچہ ان کی ان اساسی کوششوں سے بھی 'طریقت' اور 'شریعت' کے بُعد کو کم کرنے اور اس بڑھتی ہوئی خلیج کے پاٹنے میں بہت مدد ملی تاہم اس میدان میں اُن کا اصل کارنامہ فلسفۂ 'وحدت الوجود' کے مقابلے میں نظریۂ 'وحدت الشہود' کی تدوین و ترویج ہے جس نے ان تمام مفاسد کا سدِّباب کر دیا جو تصوّف کی راہ سے حملہ آور ہو رہے تھے، نتیجۃً باطن کے ساتھ ساتھ ظاہر کی اہمیت بھی دوبارہ مسلّم ہوئی، عشق و محبت کے ساتھ ساتھ اطاعت و اتباع کا جذبہ بھی از سرِ نو بیدار ہوا، فنا فی اللہ کے بجائے بقا باللہ کو مقصود و مطلوب کا درجہ

© rasailojaraid.co

حاصل ہوا اور جذب وسُکر اور مستی و بے خودی کے بجائے جذبۂ عمل اور جوشِ جہاد نمایاں ہوئے ——— اور ان سب کا حاصل یہ کہ ہند میں ملّتِ اسلامی کا جداگانہ تشخّص از سرِ نَو مستحکم ہو گیا۔ اور یہ خطرہ ٹل گیا کہ کہیں سرزمینِ ہند میں جیسے مذہبوں اور فلسفوں کے بہت بڑے عجائب گھر کی حیثیّت حاصل ہے دینِ محمّدیؐ بھی صرف ماضی کی ایک یادگار بن کر نہ رہ جائے بقول علّامہ اقبالؔ مرحوم :-

حاضر ہوا مَیں شیخ مُجدّدؒ کی لحد پر ۔۔۔ وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلع انوار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے ۔۔۔ جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار

وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہباں،
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار!

سلسلۂ نقشبندیہ، جس کا پودا سرزمینِ ہند میں حضرتِ مجدّدؒ کے مرشد خواجہ باقی باللہ کے ہاتھ سے لگا، اصلاً بھی جملہ سلاسلِ طریقت میں سے اقرب اِلیٰ الشّریعت ہے، اور حضرتِ مجدّدؒ کے ہاتھوں جو عظیم الشّان کارنامہ سرانجام پایا اس کی بنیاد بھی خواجہ باقی باللہؒ کے ہاتھوں پڑ چکی تھی تاہم واقعہ یہ ہے کہ اس میں جو شان حضرت مجدّدؒ نے پیدا کی وہ انہی کا حصّہ ہے اور یوں تو بعد میں سلسلۂ نقشبندیہ باقو یہ بھی ہندوستان میں جاری رہا اور اس سے بہت سا خیر پھیلا لیکن "ہند میں سرمایۂ ملّت کی نگہبانی" کا فریضہ جس شان کے ساتھ حضرتِ مجدّدؒ کے احفاد و خلفاء نے ادا کیا اس میں کوئی دوسرا ان کے ساتھ شریک نظر نہیں آتا۔ یہاں تک کہ یہی وہ واحد سلسلہ ہے جس کے منسلکین نے ذکر و شغل اور مجاہدہ و ریاضت کے علاوہ کلمۂ حق کہنے کی پاداش اور ردِّ بدعت و رفض کے جُرم کی سزا کے طور پر حوالۂ زنداں ہونے اور جان پر کھیل جانے کی روایات کو بھی از سرِ نو تازہ کیا گویا ع "من از سرِ نو جلوہ دہم دار و رسن را!" (سرمدؔ)

بایں ہمہ، حضرتِ مجدّدؒ کے یہاں بھی حنفیّت میں غلوّ اُسی شدّت کے ساتھ موجود ہے جو مُسلم انڈیا کی پُوری تاریخ کا جزوِ لاینفک ہے۔ گویا حضرتِ مجدّدؒ کی مساعی سے اسلام ہند میں اس مقام تک تو پہنچ گیا جہاں سے (دورِ غلاماں میں) اِس کا آغاز ہُوا

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

تھا لیکن ع "دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو!" کا عمل اس سے آگے نہ بڑھ سکا!

البتہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی خدمات کو اس سمت میں ایک مزید قدم سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ شیخ محدثؒ کی شخصیت بعض پہلوؤں سے تو حضرت مجددؒ ہی کی شخصیت کا عکس معلوم ہوتی ہے لیکن بعض دوسرے اعتبارات سے اُن کی حیثیت تقریباً ایک ڈیڑھ صدی بعد طلوع ہونے والے آفتابِ رُشد و ہدایت یعنی شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے پیشرو یا مقدمۃ الجیش کی معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ صوفی بھی تھے اور خواجہ باقی باللہؒ ہی کے مرید بھی، لیکن اس کے باوجود کہ انھیں بھی تو حضرت مجددؒ کی طرح اس کے غلو سے نفرت تھی، وہ اس کی تردید میں اس درجہ سرگرم نظر نہیں آتے۔ اسی طرح وہ حنفی بھی تھے لیکن متشدد نہیں بلکہ فقۂ حنفی کا رشتہ حدیثِ رسولؐ کے ساتھ جوڑنے کی سعی اوّلاً انہی سے شروع ہوئی۔ ان دونوں پہلوؤں سے تو وہ شیخِ مجددؒ اور امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ الدہلویؒ کے بین بین نظر آتے ہیں لیکن اس اعتبار سے کہ امام الہندؒ نے اسلام کا رشتہ اس کی 'اصلِ ثابت' یعنی قرآنِ حکیم کے ساتھ از سرِ نو قائم کرنے کی کوشش کا آغاز کیا اور شیخ محدثؒ نے دین کا تعلق اُس 'اصلِ ثابت' کی فرعِ اوّل کے ساتھ قائم کرنے کی کوشش کی، اُن کی شخصیت حضرت امام الہندؒ کی شخصیت کا مقدمہ یا دیباچہ نظر آتی ہے — اور واقعہ یہ ہے کہ یہی حضرت محدثؒ کی اصل خدمت (CONTRIBUTION) ہے کہ انھوں نے علم حدیث کا پودا سرزمینِ ہند میں لگایا۔ اور حدیثِ رسولؐ کی باقاعدہ درس و تدریس کا بھی آغاز کیا اور اس سے متعلق تصنیف و تالیف کا بھی! چنانچہ انھوں نے مشکوٰۃ شریف کا ترجمہ فارسی میں کیا اور ان کے صاحبزادے شیخ الاسلام نور الحقؒ نے صحیح بخاری کو فارسی میں منتقل کیا۔ مزید برآں انھوں نے مشکوٰۃ کی ایک مفصّل شرح (لمعات التنقیح) عربی زبان میں اور اس سے بھی زیادہ طویل شرح (اشعۃ اللّمعات) فارسی میں تحریر کی، علاوہ ازیں اسنادِ حدیث اور اسماء الرجال پر کسی ایک کتاب تصنیف کی اور لمعات کے مقدمے کے ذریعے بھی عُلومِ حدیث

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

کا ایک جامع تعارف کرا دیا!

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تجدیدی مساعی کا تفصیلی جائزہ تو ظاہر ہے کہ ان مختصر شذرات کی حدود سے باہر ہے تاہم یہ عرض کئے بغیر نہیں رہا جاتا کہ دورِ صحابہؓ کے بعد کی پوری اسلامی تاریخ میں ان کی سی جامعیتِ کبریٰ کی حامل کوئی دوسری شخصیت نظر نہیں آتی اور اس میں ہرگز کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ واقعۃً دَورِ جدید کے فاتح ہیں اور اس اعتبار سے خواہ یہ کہہ لیا جائے کہ انہوں نے حضرت مجددؒ اور شیخ محدثؒ دونوں کی مساعی کو منطقی انتہا تک پہنچایا یا خواہ یہ کہہ لیا جائے کہ وہ دونوں اصلاً امام الہندؒ ہی کی شخصیت کی تمہید تھے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

چنانچہ ایک طرف حضرت مجددؒ نے ہند میں اُمّتِ مسلمہ کو از سرِ نو ایک مستحکم داخلی تشخص عطا کیا تو شاہ صاحبؒ نے احمد شاہ ابدالی کو دعوت دے کر امّت کے خلاف اُٹھنے والے سب سے بڑے خارجی طوفان کے مقابلے کا سامان کیا اور حضرت مجددؒ نے "ردِّ روافض" سے جس کام کا آغاز فرمایا تھا اس کی تکمیل شاہ صاحبؒ نے "اِزالۃُ الخِفاء عن خلافۃ الخُلفاء" اور "قرۃ العینین فی تفضیل الشیخینؓ" اور ان کے صاحبزادے شاہ عبد العزیزؒ نے "تحفۂ اثنا عشریہ" ایسی کتابوں کی تصنیف سے کی ——— اور دوسری طرف شیخ محدثؒ نے علمِ حدیث کا جو پودا سرزمینِ ہند میں لگایا تھا شاہ صاحب اور ان کے خلفاء نے نہ صرف یہ کہ اس کی آبیاری کی بلکہ اپنی انتھک کوششوں سے صنم خانۂ ہند کو علمِ حدیث نبوی کا ایک عظیم الشان چمن بنا دیا۔ عجیب مشابہت ہے کہ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے مشکوٰۃ المصابیح کی ایک شرح عربی میں لکھی تھی اور ایک فارسی میں، اسی طرح امام الہندؒ نے امام مالکؒ کی ایک شرح عربی میں لکھی تھی (المسوّی) اور ایک فارسی میں لکھی (المصفّٰی)۔ واضح رہے کہ شاہ صاحب کے نزدیک مؤطا امام مالکؒ کو علمِ حدیث کے ذیل میں اصل اساس کی حیثیت حاصل ہے۔

ان پر مستزاد ہیں شاہ صاحبؒ کے وہ کارنامے جن کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی

© rasailojaraid.com

کی نشأۃِ ثانیہ کے طویل عمل کا اصل نقطۂ آغاز ان ہی کی ذاتِ گرامی ہے:

مثلاً ایک یہ کہ علمِ فقہ کے میدان میں ایک طرف آپؒ نے "عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید" تصنیف فرمائی جس سے تقلیدِ جامد اور اجتہادِ مطلق کے مابین اعتدال کی راہ واضح ہوئی اور دوسری طرف "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" ایسی معرکۃ الآرا کتاب لکھی جس نے فقہی اختلافات کی اہمیت کو کم کرنے کے ضمن میں نہایت دوررس نتائج پیدا کئے۔

دوسرے یہ کہ اپنی مشہورِ زمانہ تصنیف "حُجّۃ اللہ البالغہ" کے ذریعے آپ نے حکمتِ دین کو ایک باقاعدہ علم کی حیثیت دے دی اور اسلام کے نظامِ عقائد، نظامِ عبادات، اور نظامِ معاشرت و معاملات کو ایک مربوط اور منضبط نظامِ زندگی کی حیثیت سے پیش کیا۔ جس کی آنے والے دَور میں شدید ترین ضرورت پیش آنے والی تھی ــــــــ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے اسلام کا رشتہ اس کی اصلِ ثابت یعنی قرآنِ حکیم کے ساتھ از سرِ نو قائم کرنے کے طویل عمل کا باقاعدہ آغاز فرمادیا۔ چنانچہ ایک طرف قرآن مجید کے فارسی ترجمے کے ذریعے قرآن کے مطالب و مفاہیم کو عوام تک پہنچانے کا اہتمام کیا۔ اگرچہ اس پر انھیں شدید مخالفت حتّٰی کہ عوامی یورش تک کا سامنا کرنا پڑا۔ اور دوسری طرف "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" کی تصنیف کے ذریعے علمِ تفسیر کو ایک چیستاں کے بجائے ایک باقاعدہ فن کی حیثیت سے متعارف کرایا اور درمیانی استعداد تک کے حامل لوگوں کے لیے فہمِ قرآن کی راہیں آسان کر دیں۔

شاہ صاحبؒ کے جلیل القدر فرزندوں میں سے دو یعنی شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ نے قرآن مجید کے بامحاورہ اور لفظی ترجمے کرکے گویا اپنے والدِ مرحوم کے شروع کئے ہوئے کام کو منطقی انتہا تک پہنچا دیا ــــــــ اور کون کہہ سکتا ہے کہ آج برِصغیر پاک و ہند میں علم و فہمِ قرآن کا جو غلغلہ اور ہمہمہ ہے وہ سب دہلی کے اسی عظیم خانوادے کی مساعی کا نتیجہ نہیں!

الغرض ویسے تو امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا علمی اصلاح و تجدید کا پورا

© rasailojaraid.com

کارنامہ ہی نہایت رفیع اور قابلِ قدر ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ان کی مساعی کو عالمِ اسلام میں یورپ کی پوری تحریکِ احیاء العلوم (RENAISSANCE) کا ہم پلّہ قرار دیا جاسکتا ہے لیکن ان کا عظیم ترین کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے توجّہات کو ازسرِ نو قرآنِ حکیم کے علم و حکمت کی جانب منعطف کردیا ــــــ اور اللہ کی رسّی کے ساتھ اُمّتِ مُسلمہ کے تعلق کو دوبارہ اُستوار کرنے کی سعی کا آغاز کرکے گویا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قول کے مطابق کہ " لَا یُصْلِحُ اٰخِرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِلَّا بِمَا صَلَحَ بِہٖ اَوَّلُھَا " اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی سعی و جہد کی راہ کھول دی ــــــ ! فَجَزَاہُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ !!

اُمّتِ مُسلمہ کی زبوں حالی کا اصل سبب اور اس کے جملہ امراض کا واحد علاج

حکیم مشرق علّامہ اقبال مرحوم

کے اشعار کی روشنی میں

خوار از مہجوریٔ قرآں شُدی
شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شُدی

اے چوں شبنم بر زمیں افتندۂ
در بغل داری کتابِ زندۂ

o

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است

مثلِ حق پنہاں و ہم پیدا است اُو
زندہ و پائندہ و گویا ست اُو

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چو دیگر شُد جہاں دیگر شود

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com